خانوادۂ شفیق احمد خاں: نظم ونثر کا خادم

ماجد مشتاق

Majid Mushtaq

Lecturer, Department of Urdu

Govt. College University, Faisalabad.

Abstract:

In the history of Urdu litereature there are so many families; which contributed a lot of literature to enrich the Urdu language and literature. Right from the early period of Urdu to recent world it is continued with important literary work. In current era, there are some families serving the Urdu literature both in prose and poetry. Family of Shafique Ahmad Khan is one of them. He himself is a valuable poet and his brother Mubashar Aziz Hassan is an important short story writer. This article throws light on the contribution of this family in Urdu literature.

بیسویں صدی کی آخری دہائی میں دنیائے شعر وادب میں شفیق احمد خان نے اپنے نام کا لوہا منوایا۔ نوجوان شعرا کی ایک بڑی تعداد نے شاعری کے میدان کو اپنے قلم سے سرفراز کیا ان شعرا میں فرحت عباس شاہ، سعداللہ شاہ، عباس تابش جیسے معروف نام تھے۔ انھی ناموں کے ساتھ ایک نام جو شہرت کی طلب کے بغیر دنیائے شعروسخن پر نقوش چھوڑتا چلا گیا، وہ شفیق احمد خان ہے۔

جدید لب و لہجے میں غزل اور نظم دونوں میدانوں میں اپنی انفرادیت رکھنے والے شفیق احمد خان بیس اگست ۱۹۶۱ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد عبدالعزیز خان علمی حوالے سے ایک اہم شخصیت تھے۔ گھر میں لائبریری اور کتابوں کی فراوانی نے شفیق احمد خان کو لکھنے پڑھنے کی طرف مائل کیا۔ اس حوالے سے بیان کرتے ہیں:

> ’’۱۹۷۷ء میں جب میں میٹرک کا طالب علم تھا۔ عام انتخاب کے بعد دھاندلی کے حوالے سے ملک گیر تحریک چلی۔ سکول بند ہو گئے۔ حالات اتنے کشیدہ تھے کہ سکول کھلنے کے متعلق کوئی واضح لائحہ عمل نظر نہیں آ رہا تھا۔ اسی دوران ابا کی لائبریری سے تعلق قائم ہوا۔ کتاب سے دوستی اس قدر بڑھی کہ نصاب کی کتابیں کہیں بہت پیچھے رہ گئیں۔‘‘ (۱)

شفیق احمد خاں نے لاہور ہی سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۷۷ء میں میٹرک کے بعد ریڈیو پاکستان میں بطور اسکرپٹ رائٹر کام کا آغاز کیا۔ ۱۹۸۸ء میں فاضل اردو کا امتحان پاس کیا۔ بعد ازاں ۱۹۹۰ء میں بی۔ اے اور ۱۹۹۵ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور

سے ایم۔اے۔اُردو کا امتحان پاس کیا۔لکھنے لکھانے کا سلسلہ سکول دور سے ہی شروع ہوگیا تھا۔ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں ترقی پسند ادیبوں کے ساتھ تعلق بھی رہا۔اکثر ادیب ان کے بڑے بھائی کے پاس ان کے ڈرائنگ روم میں آتے۔

ریڈیو پاکستان سے تعلق کے دوران نغمے اور ڈرامے وغیرہ نشر ہوتے رہے۔فنونِ لطیفہ سے خصوصی دلچسپی رہی۔گھر کے قریب تین عدد سینما گھروں کی موجودگی نے فلم بینی کے شوق کو مہمیز کیا۔اس دوران میں اداکاری کا شوق بھی ہوا مگر اس طرف با قاعدہ کوئی کوشش نہیں کی۔

ان کے دوست احباب میں اکثر ایسے لوگ تھے جو قلم قبیلہ سے وابستہ تھے۔فرحت عباس شاہ، محمود سرور، عطاالحق قاسمی، امجد اسلام امجد اور منیر نیازی جیسے لوگوں سے گہرا تعلق رہا۔اس تعلق کے باوجود خود کو نہ تو صرف شاعروں کے لیے وقف کرنا گوارا کیا اور نہ ہی کسی ادبی گروہ کے آلۂ کار بنے۔

۱۹۹۷ء میں درس وتدریس سے وابستہ ہو گئے۔بطور لیکچرار پبلک سروس کمیشن سے درس وتدریس کے منتخب ہونے کے بعد پہلے راولپنڈی بعدازاں گجرات بھی خدمات سرانجام دیں۔۲۰۰۱ء میں لاہور تبادلہ ہوا اور تب سے اسی شہر میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

ان کا پہلا شعری مجموعہ۱۹۹۲ء میں ''وہ ہمسفر نہ تھا'' کے نام سے منظرِ عام پر آیا۔اس کتاب کی اشاعت کے ساتھ ہی شفیق احمد خان کا ادبی حلقوں میں تعارف ہوا۔یہ امر باعثِ حیرت بھی تھا کہ اس سے پہلے ان کا کلام عام لوگوں تک نہیں پہنچا تھا اور نہ ہی بطورِ شاعر ایسی کوئی کوشش عمل میں لائی گئی تھی۔''الحمد'' لاہور سے شائع ہونا اور اس قدر جلد شہرت حاصل کرنا کم ہی شعرا کو نصیب ہوتا ہے۔ان کا دوسرا شعری مجموعہ۱۹۹۴ء میں ''کیا اس سے کہوں'' کے نام سے منظرِ عام پر آیا۔اس شعری مجموعہ میں شامل علی اکبر عباس کی رائے ان کے شعری زاویے کو واضح کرتی دکھائی دیتی ہے:

> ''وہ معاشرے کو حصارِ زر سمجھتا ہے اور اس حصار کو توڑنا چاہتا ہے۔وہ انسانوں کو زور مال کی قید سے آزاد کرنا چاہتا ہے۔وہ اپنی محبت کی کمند پھینک کر لوگوں کو اس حصار سے نکلنے کی ترغیب دے رہا ہے مگر مال مست لوگ سونے کی سلاخوں کے پیچھے ہی عافیت سمجھتے ہیں یہی دکھ ہے جو شفیق کو مایوس کر دیتا ہے۔''(۲)

۱۹۹۵ء میں ان کے دو شعری مجموعے ''اب میرا انتظار کر'' اور ''درد جب جاگتا ہے'' کے عنوان سے منظرِ عام پر آئے۔زمانۂ طالب علمی ہی میں چار شعری مجموعے شائع ہونا ان کے کامیاب شعری سفر کی دلیل ہیں۔ان کی کتاب ''درد جب جاگتا ہے'' کے حوالے سے فرحت عباس شاہ بیان کرتے ہیں:

> ''احساس زیاں، لاحاصلی اور رائیگانی کا غم محبت میں ہجر وفراق اور بے قراری کی شدت اور پھر کہیں کہیں خواہش مرگ سب نے باہم مل کر جو طاقت وتوانائی اس کتاب میں موجود نظموں میں حاصل کی ہے وہ صرف نظم ہی کا حصہ ہے۔میں سمجھتا ہوں جس طرح نظم شفیق کی خواہش مرگ کے خلاف مزاحمت کا باعث بنی ہے غزل کبھی یہ کام سرانجام نہ دے سکتی۔مجھے پتہ ہے کہ وارداتِ قلبی سے عاری، سطحی ماہرینِ زبان واسلوب اور عروض اور قافیہ وردیف کے دھنی لوگ میری یہ بات سمجھنے سے بالکل قاصر رہیں گے۔''(۳)

ان کے دیگر شعری سرمایے میں ''ابھی وقت ہے'' ۱۹۹۷ء ''میرے ساتھ چل'' ۱۹۹۸ء اور ''داستانِ اُداسی کی'' ۲۰۰۲ء میں منظرِ عام پر آئیں۔

شفیق احمد خاں کا شعری سفر جاری وساری ہے ان کی دو کتابیں زیرِ طبع ہیں۔ان کا حُسنِ انتخاب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی اشاعت کی رفتار میں کمی کا بڑا باعث ہے۔شفیق احمد خان آزادانہ روش کے حامل ہیں اور یہ زاویۂ نظر ان کی غزل اور نظم دونوں میں بدرجۂ اتم دکھائی دیتا ہے۔

ان کی نظمیں انسان اور انسانی رائے کی آزادی کی فطری خواہش کی علم بردار ہیں۔یہ خواہش شاعر کی نہیں بلکہ ایک ایسے حساس فرد کی ہے جو اپنی حساس طبع کے باعث عملی زندگی میں اس کا مظہر نظر آتا ہے۔شفیق احمد خاں حسِ جمالیات کو زندگی کا لازمی جزو گردانتے ہیں مگر یہ جمالیاتی طرزِ احساس زندگی کی تلخیوں کے ساتھ نبرد آزما ہوتے ہوئے کہیں دور ہوتی دکھائی دیتی ہے۔شفیق احمد خاں کی غزل روایتی ڈھانچے سے آزاد اور ان کے موضوعات براہِ راست انسان اور انسانی زندگی کے عکاس ہیں۔ان کی شاعری لطیف طرزِ احساس کے ساتھ حقیقت پسندانہ فکر اور سوچ کی عکاس ہے،ہجر وفراق کی روایتی کیفیتیں ان کے دامن گیر نہیں ہوتیں۔ان کے موضوعات اپنی اہمیت اور گہرائی فکر کی بنا پر ناقدین سے داد پاتے نظر آتے ہیں۔

شفیق احمد خاں علمی وادبی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیتے ہیں۔حلقۂ اربابِ ذوق،لاہور کے ممبر ہیں۔انسانی حقوق کے حوالے سے مختلف تنظیموں اور رسائل میں بطور راہنما اپنا کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں۔غضنفر حسین ندیم جیسے ادبی خادم کے ساتھ حلقۂ تصنیفِ ادب کے اجلاسوں کا تواتر سے انعقاد بھی شفیق احمد خاں کی ادب دوستی کا مظہر ہے۔

شفیق احمد خاں عمدہ نثر نگار،کمال شاعر اور مخلص انسان ہیں۔ذاتی مفادات سے بالاتر اصول اور نظریہ کے علمبردار اور اس پر کبھی سمجھوتہ نہ کرنے والوں میں شمار ہوتے ہیں۔ان کی شخصیت کے بارے میں فیصل آباد کے معروف شاعر محمود سرور اپنی رائے دیتے ہیں:

> ''لاہور میں قیام کے دوران جن دو لوگوں سے بے تکلف اور با کمال تعلق رہا ان میں شفیق اور منصور آفاق شامل ہیں۔شفیق سیدھا،سادا اور مخلص انسان ہے۔ان کی زندگی کے مسائل و مصائب اس کا مسئلہ نہیں بلکہ انسان کا درد انھیں زیادہ بے چین رکھتا ہے۔اصولوں پر سمجھوتا کرنا اس کی زندگی کی کتاب میں شامل ہی نہیں۔وہ جدید لب ولہجہ کا شاعر ہے۔نظم لکھتا ہے تو گویا ایک لامحدود فکر کو نظم کرنے کا کمال رکھتا ہے۔غزل کے اشعار میں بامعنی جدت کی شفیق سے بہتر مثال کم از کم میری نظر سے نہیں گزری۔'' (۴)

شفیق احمد خان کا قلمی سفر جاری ہے۔ان کے قلم سے مزید گوہرِ نایاب جلد ہی منظرِ عام پر آنے کو بے تاب ہیں۔ان کے ادبی سرمایہ میں اضافہ کی توقع اور دُعا ہے۔

مبشر عزیز حسن برادر شفیق احمد

مبشر عزیز حسن،شفیق احمد خاں کے چھوٹے بھائی اور صاحبِ طرز افسانہ نگار ہیں۔نوجوان افسانہ نگاروں میں پختہ نثر اور علامتی نظام کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں۔لاہور میں پیدا ہونے والے مبشر عزیز حسن انفرادی سوچ کے حامل ہیں۔ان کے گھر میں بڑے بھائی کا تعلق ترقی پسند نظریے سے رہا اور تاعمر انھوں نے اس نظریے کو نبھایا۔مبشر عزیز حسن نے ان حالات میں بھی

ایک الگ فکر اور نظریہ اپنایا۔ لاہور سے ہی تعلیم حاصل کی بی۔اے کے بعد گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور میں ایم۔اے اردو میں داخلہ لیا۔ اس عہد میں گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور کی ڈرامیٹک سوسائٹی، اور ''ایمِقی تھیٹر'' کی رونقوں میں شامل رہے۔ اس کالج کی فضا نے ان کی صلاحیتوں کو جلا بخشی۔ ان کے استادوں میں ڈاکٹر سید معین الرحمٰن، ڈاکٹر نیر صمدانی، ڈاکٹر سلیم اختر، ڈاکٹر اصغر ندیم سید، ڈاکٹر احسان الحق جیسے نفیس اور علم پرور نابغہ روزگار ہستیوں نے ان کی حوصلہ افزائی کی۔ کالج کی سرگرمیوں میں حصہ لیا اور خوب نام کمایا۔

ایم۔اے کے دوران ہی ان کا افسانہ اُندھے کا روزنامچہ، شائع ہوا تو ان کے قلم کی اٹھان کی طرف توجہ گئی۔ اس افسانے کو داد و تحسین کے علاوہ انعامات سے بھی نوازا گیا۔ مبشر عزیز حسن کا قلمی سفر جاری رہا اور اس باب میں ان کے افسانے اپنی اپنی انفرادیت کے ساتھ پذیرائی حاصل کرتے رہے۔

مبشر عزیز حسن کا افسانہ ''کنجری کی ڈائری'' شائع ہوا تو اس افسانے کو بھی سنجیدہ حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ طوائف کے موضوع پر لکھے گئے افسانوں کے انتخاب میں شامل کیا گیا۔ یہ افسانہ طبقہ بعنواں کے اس خاص طبقے کے حوالے سے تخلیق کردہ ادب کے باب میں ناقدین نے ہمیشہ سہو دکھایا۔ آنندی، افسانہ کو اس موضوع کا بہترین افسانہ قرار دینا ایسی ہی غلطی ہے۔ ''آنندی'' میں معاشرتی رویوں اور معاشرے کے کرتا دھرتاؤں کے معیارات کو موضوع بنایا گیا۔ اس افسانے کے متن میں ایک بھی سطر طوائف کی زندگی کی عکاس نہیں۔ اس باب میں آغا بابر کا افسانہ ''چھٹی رساں'' اور اس کے بعد اگر کسی افسانہ نگار نے اس زندگی کو درست اور واضح انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی وہ مبشر عزیز حسن ہی ہیں۔

مبشر عزیز حسن کے افسانوں میں علامتی نظام اپنی معنویت کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے اس حوالے سے ''صادق اور امین'، معاشرتی تناظر میں صادق اور امین کی علامتوں کے ساتھ معاشرے اور سماج کی کج رویوں اور انسانی رویوں میں مفاد پرستی کو خوبی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

مبشر عزیز حسن کے افسانے اپنے منفرد اُسلوب اور اختصار نویسی کے حوالے انھیں اپنے ہم عصروں سے ممتاز کرتے ہیں۔ ان کے قلم کی روانی اور تسلسل ایک پختہ نثر کا مظہر ہے۔

مبشر عزیز حسن نے ایم۔فل اُردو بھی گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور سے شروع کیا مگر بوجوہ اسے نامکمل چھوڑنا پڑا یہ ۲۰۰۱ کی بات ہے جب انھوں نے ''غالب کے تصورِ مرگ'' پر مقالہ لکھنا شروع کیا۔ افسوس یہ کام مکمل نہ ہو سکا ورنہ غالبیات کے حوالے سے ایک اہم اضافہ ہوتا۔ آج کل لاہور کے ایک نجی ادارے میں درس و تدریس سے منسلک ہیں۔

مبشر عزیز حسن کا افسانوی مجموعہ ''اندھے کا روزنامچہ'' مکتبہ کارواں لاہور (۵) سے شائع ہوا جس میں علامتی طرزِ اظہار کی خوب صورت مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں۔

مبشر عزیز حسن نے ''اندھے کا روزنامچہ'' افسانوی مجموعہ کے علاوہ ''پاکستانی کہانیوں'' کے عنوان سے ایک انتخاب شائع کیا۔ جس میں بڑے بڑے افسانہ نگاروں کے علاوہ پشتو، سندھی، بلوچی اور پنجابی کے افسانوں کے تراجم بھی شامل کیے۔ مبشر عزیز حسن نے مکتبہ کارواں لاہور اور حسیب پبلی کیشنز لاہور کے ساتھ مل کر کئی ایک کتابیں ترتیب دی ہیں۔ ان کے قلم کا سفر جاری و ساری ہے۔ وہ اپنے افسانوں میں جس طرح کے موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں۔ ادبی حوالے سے انھیں بڑا افسانہ نگار منوانے کے لیے کافی ہیں۔ قوتِ متخیلہ کی کارفرمائی کے علاوہ مشاہدہ اور ژرف نگاہی سے کام لے کر حقیقت سے قریب تر مناظر

ان کی خوبی ہے۔

مبشر عزیز حسن عہدِ حاضر کا اہم افسانہ نگار ہے۔ ان کا سفر جاری ہے اور مستقبل میں ان سے مزید ادبی کارناموں کی توقع ہے۔

خانوادۂ شفیق احمد خاں اور شاعری اور نثر میں قابلِ قدر خدمات سرانجام دے رہا ہے اور جدید ادبی منظرنامے کا اہم حوالہ ہے۔

حوالہ جات

۱۔ انٹرویو شفیق احمد خان، لاہور، ۱۶ جنوری ۲۰۲۰ء

۲۔ شفیق احمد، کیا اس سے کہوں، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء، ص: ۷

۳۔ شفیق احمد، درد جب جاگتا ہے، لاہور: امن پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء، ص: ۱۱

۴۔ انٹرویو محمود سرور، ماجد مشتاق، بحوالہ شفیق احمد خان، بمقام لائکپور پبلشرز، فیصل آباد، ۱۶ ستمبر ۲۰۲۰ء

۵۔ مبشر عزیز حسن، اندھے کا روزنامچہ، لاہور: مکتبۂ کارواں، ۲۰۰۵ء

☆......☆......☆